بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسلمانوں کی فلاح ونشاۃ ثانیہ کا واحد راستہ

"سلفی منہج"

امام محدّث محمد ناصرالدین البانی (رحمۃ اللہ علیہ)

المتوفی ۱۴۲۰ھ

مترجم

طارق علی بروہی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

* توجہ فرمائیں *

کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الکٹرانک کتب۔۔۔

* عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
* مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اَپ لوڈ [UPLOAD] کی جاتی ہیں۔
* متعلقہ ناشرین کی تحریری اجازت کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔
* دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات کی نشرو اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

** تنبیہ **

** کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب کسی بھی الکٹرانک کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

** ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

نشرواشاعت اور کتب کے استعمال سے متعلق کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں :

ٹیم کتاب و سنت ڈاٹ کام

webmaster@kitabosunnat.com

www.kitabosunnat.com

نام کتاب : مسلمانوں کی فلاح ونشاۃ ثانیہ کا واحد راستہ - "سلفی منہج"

مولف : امام محدّث محمد ناصر الدین البانی (رحمۃ اللہ علیہ)

مترجم : طارق علی بروہی

صفحات : ۳۴

ناشر : اصلی اہل سنت ڈاٹ کام

فہرست مضامین

مسلمانوں کی فلاح ونشاۃ ثانیہ کا واحد راستہ

"سلفی منہج"

[یہ مضمون دراصل ایک ٹیلی فونک خطاب ہے جو شیخ البانی (رحمۃ اللہ علیہ) کی نصیحت پر مشتمل ہے، جس میں آپ نے امت مسلمہ کے لئے اپنا کھویا ہوا وقار اور عروج حاصل کرنے کی صحیح سمت متعین کی جو کہ آپ کی علمی بصیرت اور امت کے لئے پر خلوص خیر خواہی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان قیمتی نصیحتوں پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین یارب العالمین]

سوال: مسلمانوں کی موجودہ حالت پر بصیرت افروز تبصرہ اور ان کے زوال کو عروج میں بدلنے کے لئے اپنے بیش قیمت نصائح سے مستفید فرمائیں، جزاک اللہ خیرا؟

إن الحمد لله نحمده، ونستعينه، ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريك له وأشهد أن محمدا عبده ورسوله.

اما بعد! فإن خير الكلام كلام الله وخير الهدي هدي محمد صلى الله عليه وسلم، وشر الأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة، وكل ضلالة في النار.

امت کی حالت زار فرقہ بندی اور حزبیت

مسلمانوں کی جو موجودہ حالت ہے وہ کسی بھی باشعور انسان پر مخفی نہیں۔ جس دور میں ہم زندگی بسر کررہے ہیں مسلمانوں کی حالت اتنی ابتر ہے کہ تاریخ میں پہلے کبھی نہ تھی، جسے آپ خود بہتر طور پر جانتے ہیں کیونکہ آپ اسی دور میں زندگی گزار رہے ہیں۔ ہر قسم کا فسق وفجور اپنی بدترین حالت میں مسلم معاشروں پھیلا ہوا ہے جن کے اثرات سے شاید ہی کوئی نفس محفوظ ہو جبکہ دوسری جانب حق بات کہنے والے اور کتاب وسنت سے تمسک اختیار کرنے والے بلحاظ تعداد انتہائی قلیل ہیں۔ اکثر لوگوں کی حالت تو ایسی ہی ہے جسطرح کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿ وَلَـكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لاَ يَعْلَمُونَ ﴾ (القرآن)

(اور اکثر لوگ نہیں جانتے)

اور دوسری آیت میں فرمایا:

﴿ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّهِ إِلاَّ وَهُم مُّشْرِكُونَ ﴾ (یوسف: ۱۰۶)

(اور اکثر لوگ اللہ پر ایمان لانے کے باوجود شرک میں مبتلا ہوتے ہیں)

مسلم امہ کی اس حالت زار کی نشاندہی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پہلے ہی فرما چکے تھے جس کا آج ہم اور ہم سے پہلے ہمارے آباءواجداد مشاہدہ و سامنا کرچکے ہیں۔ دین میں تفرقہ بازی، گروہ بندی اور دین کو ٹکڑے ٹکڑے کردینا عام ہے۔ اللہ تعالی کے اس فرمان مبارک کے سراسر خلاف:

﴿ ... وَلاَ تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعاً كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴾ (الروم: ۳۱-۳۲)

(اور ان مشرکوں میں سے نہ ہونا جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا اور خود بھی گروہ گروہ ہوگئے، ہر گروہ اس چیز پر جو اس کے پاس ہے مگن ہے)

اور اس فرمان کی بھی نافرمانی کرتے ہوئے:

﴿ وَأَنَّ هَـذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيماً فَاتَّبِعُوهُ وَلاَ تَتَّبِعُواْ السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ... ﴾ (الأنعام: ١٥٣)

(اور یہ کہ دین میرا سیدھا راستہ ہے جو مستقیم ہے، سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کردیں گی)

مزید برآں خود نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان "مختلف راہوں" کی وضاحت فرمائی چناچہ ایک صحیح حدیث میں اس کا مکمل نقشہ کھینچا گیا ہے کہ کسطرح مسلمانوں کی اکثریت صراط مستقیم سے ہٹ جائے گی۔

عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا:

"ایک دن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہمارے لئے زمین پر ایک سیدھی خط کھینچی اور اس پر دست مبارک رکھ کر فرمایا "یہ اللہ کی راہ ہے" پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس سیدھی خط کے اردگرد مزید خطوط کھینچے اور فرمایا "یہ وہ مختلف راہیں ہیں جن میں سے ہر ایک کے سر پر ایک شیطان بیٹھا لوگوں کو اپنی طرف دعوت دے رہا ہے"۔ پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ وَأَنَّ هَـذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيماً فَاتَّبِعُوهُ وَلاَ تَتَّبِعُواْ السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ... ﴾"[1]

پس نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس حدیث میں واضح کردیا کہ صراط مستقیم ایک راہ ہے بہت سی راہیں نہیں جیسا کہ چند صوفیاء کہتے اور دعوی کرتے ہیں کہ "اللہ تعالی تک پہنچنے کے اتنے ہی راستے ہیں جتنی تمام مخلوقات کی سانس لینے کی مقدار ہے" کم ازکم یہ ان کا ایک قدیم مقولہ ہے مگر آج واقعتا اتنی راہیں گروہوں اور جماعتوں کی صورت میں نمودار ہوگئی ہیں، اور ہر ایک اس چیز پر خوش اور مگن ہے جو اس کے پاس ہے۔ جبکہ یہ تمام مسلمان اللہ تعالی کے اس حکم سے بخوبی آگاہ ہیں:

---

[1] احمد: 435/1،436، نسائی: 184، الدارمی: 67/1-68، قال الالبانی صحیح، دیکھئے شرح عقیدہ طحاویہ: 810

﴿ ... **وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ** ﴾ (الروم: ۳۱-۳۲)

(اور ان مشرکوں میں سے نہ ہونا جنھوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور خود بھی گروہ گروہ ہو گئے، ہر گروہ اس چیز پر جو اس کے پاس ہے مگن ہے)

اور وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اس فرمان سے بھی بخوبی واقف ہیں:

"یہودیوں نے تفرقہ کیا حتی کہ وہ اکھتر (۷۱) فرقے بن گئے اور نصاری تفرقے کے سبب بھتر (۷۲) فرقے بن گئے اور میری یہ امت تھتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی، اور وہ تمام کے تمام فرقے آگ میں جائیں گے سوائے ایک فرقے کے" فرمایا کہ: "وہ ایک فرقہ کونسا ہوگا؟" آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "الجماعۃ" (جماعت)[۲]

یہ اس حدیث کی سب سے مشہور روایت ہے، اور یہ صحیح ہے، ایک اور روایت میں (جو اس حدیث کی تشریح کرتی ہے) جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس فرقۂ ناجیہ (نجات پانے والے فرقے) کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:

"**ماأنا عليه وأصحابی اليوم**" جس چیز پر آج میں اور میرے صحابہ (رضی اللہ عنہم) ہیں۔[۳]

یہ دوسری روایت حسن درجہ کی روایت ہے جس کی تفصیل میں نے اپنی بعض کتب میں بیان کی ہے۔ اس میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں یعنی "**ماأنا عليه وأصحابی اليوم**" اس منہج کی وضاحت کرتے ہیں جس پر وہ واحد فرقۂ ناجیہ اور طائفہ منصورہ (مدیافتہ گروہ) کاربند ہوگا۔ یہ وہ جماعت ہوگی جو اپنا منہج رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سے لیتی ہوگی۔

---

[۲] الترمذی: 2641، قال الالبانی صحیح - سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: 1348
[۳] ہیثمی مجمع الزوائد: 189/1، صححہ الالبانی - صحیح الجامع: 9/52

فرقۂ ناجیہ کی علامت

یہاں پر قابل غور نقطہ یہ ہے کہ آپ نے فرمایا "**وأصحابی**" (اور میرے صحابہ (رضی اللہ عنہم))، جبکہ اگر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) محض یہ کہہ دیتے کہ میرے راستہ پر ہو تو یہ بطور جواب کافی تھا، لیکن ایک عظیم حکمت کے تحت آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے صحابہ (رضی اللہ عنہم) کا بھی ذکر کیا۔ اس کے پس پردہ جو حکمت پوشیدہ ہے وہ یہ ہے کہ تمام کے تمام صحابہ (رضی اللہ عنہم) اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر تھے۔ انہوں نے اپنی تعلیم وتربیت اس وحی کے ذریعے سے حاصل کی جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل ہوتی۔ وہ براہ راست اس وحی سے مستفید ہوئے جو کہ اپنی خالص حالت میں کسی قسم کی بیرونی ملاوٹ سے پاک ان تک پہنچی، اس بیرونی ملاوٹ سے کہ جس نے ان کے بعد میں آنے والے لوگوں کے دل و دماغ کو پراگندہ کیا۔ اس فساد کا اندازہ آپ ان آراء وافکار کو دیکھ کر لگا سکتے ہیں جو کہ صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے منہج سے متصادم ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے راستے کے ساتھ ساتھ صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے طریقے کی پیروی کا بھی حکم دیا کیونکہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جانتے تھے کہ صحابہ (رضی اللہ عنہم) ہی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سچے تابعدار وپیروکار ہیں۔

مزید یہ کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے انتہائی واشگاف الفاظ میں ان لوگوں کا بھی ذکر کیا جو صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے فورا بعد آئے۔ چنانچہ ایک صحیح حدیث میں بلکہ میں تحقیق ومطالعہ کے بعد اس نتیجے میں پہنچا ہوں کہ یہ حدیث متواتر ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:

"**خیر الناس قرنی**..." (بہترین لوگ میرے زمانے کے لوگ ہیں ...)

بعض افراد اس حدیث کو کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں "**خیر القرون قرنی**..." (بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے ...)

یہاں میں ایک چیز کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں۔ ﴿ ... **فَإِنَّ الذِّكْرَى تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ** ﴾ (اور یقینا

نصیحت ایمانداروں کو فائدہ دیتی ہے)۔ وہ یہ کہ اس حدیث کے صحیح الفاظ کچھ اس طرح ہیں کہ: "**خیر الناس**" (بہترین لوگ) یعنی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:

"**خیر الناس قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم**" [۴]

(بہترین لوگ میرے زمانے کے لوگ ہیں پھر جو ان کے بعد آئیں، پھر جو ان کے بعد آئیں)۔

یہ وہ قرون ثلاثہ (تین نسلیں) ہیں کہ جن کے صراط مستقیم پر ہونے کی گواہی خود رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دی اور قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت کے مصداق بھی یہی لوگ ہیں:

﴿ **وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا** ﴾ (النساء: ۱۱۵)

(جو شخص باوجود راہ ہدایت واضح ہوجانے کے بھی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا خلاف کرے اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے، ہم اسے ادھر ہی متوجہ کردیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہو اور اسے دوزخ میں ڈال دیں گے، وہ پہنچنے کی بہت ہی بری جگہ ہے)۔

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے قرآن کریم کے انہیں الفاظ یعنی "**ویتبع غیر سبیل المؤمنین**" (اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے) سے وہ الفاظ اخذ کئے جو سابقہ حدیث میں بیان ہوئے "**وأصحابی**" (اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم)۔

اس قرآنی آیت کا جو اساسی نقطہ ہے وہ وہی ہے جو کہ اس حدیث میں بیان ہوا۔ اس سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بعد میں آنے والے اور موجودہ دور کے مسلمانوں کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ مومنوں کی راہ "**سبیل المؤمنین**" کے علاوہ کوئی اور منہج اختیار کریں کیونکہ وہ لوگ اپنے رب کی جانب سے واضح ہدایت پر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے بعض صحابہ (رضی اللہ عنہم) کا درجہ بعض سے زیادہ بیان کیا۔ میرا اشارہ خلفائے

---

[۴] البخاری: 2562

راشدین کی طرف ہے۔ جیسا کہ حدیث عرباض بن ساریہ (رضی اللہ عنہ) میں بیان ہوا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:

"میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں (حکام کی) سمع وطاعت (سننے اور فرمانبرداری کرنے) کی اگرچہ وہ (حاکم) حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ پس بیشک تم میں سے جو (میرے بعد) لمبی عمر پائے وہ بہت اختلاف دیکھے گا۔ پس تمہیں چاہیے کہ میری سنت اور میرے بعد میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو اپنے جبڑوں کے ساتھ مضبوطی سے تھامے رہو، اور دین میں نئے کاموں سے بچو کیونکہ دین میں ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"[۵]

یہاں بھی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی سنت کے ساتھ خلفائے راشدین کی سنت کو بیان کیا اور اس کی بھی وہی حکمت ہے جو اس سے پہلے فرقۂ ناجیہ کے متعلق آیت وحدیث کے تحت ذکر کی گئی۔

سلفی منہج

مذکورہ بالا تینوں حوالہ جات سے ایک منہج ونظام اخذ کیا جاسکتا ہے۔ ایک ایسا نظام کہ جس سے ہر مسلمان کا منسلک ہونا ضروری ہے اور اس سے اعراض کی کوئی گنجائش نہیں، جیسا کہ ہم مشاہدہ کرتے رہتے ہیں ان داعیوں کے مناہج جو قرآن وسنت کی طرف دعوت دیتے ہیں لیکن ان کا طریقۂ کار ہمارے اس بیان کردہ نظام سے متصادم ہے اور وہ ہم سے اس منہج میں اختلاف کرتے ہیں کہ ہم سلف صالحین کے (صحابہ، تابعین، تابع تابعین اور جو ان کے اصولوں پر کاربند رہے) کے منہج سے تمسک کی دعوت دیتے ہیں یعنی قرآن وسنت پر عمل پیرا ہونا مگر سلف صالحین کے طریقے کے مطابق۔ یہ درحقیقت وہ منہج ہے کہ جس سے ہر مسلمان کو تمسک اختیار کرنا لازم ہے تاکہ وہ "**سبیل**

---

[۵] ابوداؤد: 4607، ترمذی: 2676، صححہ الالبانی في الارواء الغلیل: 2455

المؤمنين" مؤمنوں کی راہ سے نہ بھٹک جائے۔ یہی وجہ ہے کہ آجکل محض یہ کہہ دینا کافی نہیں ہے کہ ہم صرف قرآن وسنت پر عمل پیرا ہیں اوراس کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

بلکہ فہم سلف صالحین کی طرف رجوع کرنا ہی اس بات کی ضمانت دے سکتا ہے کہ مسلمان اس طرح سے گمراہ نہ ہوں جسطرح سے سلف صالحین کے بعد آنے والے مسلمان گمراہ ہوئے۔ ان مسلمانوں نے آپس میں انتہائی شدید اختلاف کیا تھا کیونکہ انہیں اس سنت صحیحہ تک بسہولت رسائی حاصل نہ تھی جوکہ قرآن کریم کی اصل تفسیر ہے۔ اللہ رب العالمین کا فرمان پاک ہے:

﴿ **وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ** ... ﴾ (النحل: ۴۴)

(یہ ذکر ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کردیں)۔

یہ وہ بنیادی وجۂ اختلاف تھی ان لوگوں کے درمیان جو گزر چکے، حتی کہ ان میں بڑے بڑے علماء، فقہاء وصالحین سب شامل ہیں، لیکن اس بنیادی وجہ کے ساتھ ساتھ اور اسباب بھی ہیں جنہوں نے ان اختلافات کو جنم دیا۔ جن میں سرفہرست نفسانی خواہشات کا غلبہ اور کچھ ان افراد کی آراء وافکار جن کے پاس کسی قدر تقوی واخلاص تو تھا لیکن علمی میدان میں وہ بہت کمزور تھے۔

اس لئے ہم یہ کہتے ہیں کہ اس بات کی ضمانت نہیں دی جاسکتی کہ مسلمان قرآن وحدیث کی مخالفت نہ کریں الاّ یہ کہ وہ اس منہج کی طرف رجوع کریں جس پر ہمارے سلف صالحین تھے۔ اور ہم مخلصانہ طور پر یہ یقین رکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی موجودہ حالت کی ذمہ داری ان اختلافات پر ہے جن میں وہ قرآن وحدیث فہمی کے لئے اس منہج پر عدم انحصار کرتے ہیں، جسے ہم "سلفی منہج" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہ وہ ضروری امر ہے جسے ہمیں مسلمانوں کی موجودہ حالت کے حوالے سے مدّنظر رکھنا چاہیے تاکہ ہم اس منہج کی طرف لوٹ سکیں جس پر سلف صالحین گامزن تھے۔ جنہیں ہم بطور فخر یاد کرتے ہیں کہ کسطرح اللہ تعالی نے انہیں قوت، شان وشوکت اور زمین پر غلبہ عطا کیا، جس کا مشاہدہ اسلام کی شاندار تاریخ کے ذریعے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ یہ وہ چند باتیں تھیں جو مسلمانوں کی موجودہ صورتحال کے

حوالے سے ذہن میں آئیں کہ جن کے متعلق مجھ سے سوال کیا گیا تھا اور اب ہم مسلمانوں کے اس زوال کے اسباب کا جائزہ لیں گے۔ (**إن شاء اللّٰه**)

مسلم امہّ کے زوال کے اسباب

علماء کرام نے مسلمانوں کے زوال کے اسباب کے تحت بہت سی وجوہات کا ذکر کیا ہے۔ جبکہ ان میں سے ہر ایک یا کم ازکم ان میں سے کچھ اس بات کا بخوبی شعور رکھتے ہیں کہ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان تمام اسباب کو اپنی ایک صحیح حدیث میں جمع فرما دیا، جب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"عنقریب تمام قومیں جمع ہوں گی اور تمہارے خلاف ایک دوسرے کو دعوت دیں گی، جسطرح کہ کھانے کی پلیٹ کی طرف دعوت دی جاتی ہے۔" کسی نے پوچھا: "کیا ہم اس وقت تعداد میں کم ہوں گے؟" فرمایا: "ہرگز نہیں، بلکہ حقیقت میں تم لوگ اس وقت تعداد میں بہت زیادہ ہوگے، لیکن تمہاری حیثیت سمندر کی جھاگ کی مانند ہوگی اور یقینا اللہ تعالی تمہارا رعب تمہارے دشمنوں کے دلوں سے نکال دے گا، اور تمہارے دلوں میں "وہن" ڈال دے گا"۔ کسی نے دریافت کیا: "یہ وہن کیا ہے؟" آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "**حب الدنيا وكراهية الموت**" (دنیا کی محبت اور موت سے نفرت)۔[٦]

بیشک نبی پاک (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے درست فرمایا کیونکہ ہر باشعور مسلمان اس بات کا مشاہدہ کرسکتا ہے کہ ہر برائی کی جڑ اس دنیا کی محبت ہے اور ہر فتنے کے پس پشت اسی کا ہاتھ کارفرما ہوتا ہے، اور کیوں نہ ہو؟ یہی وہ شیء ہے کہ جو انسان کو اپنی دولت اور اپنی جان کے بارے میں کنجوس، خودغرض اور بخیل بناتی ہے، اور یہی جان و مال ہی تو ہے کہ جس کے ذریعے اللہ تعالی کی راہ میں جہاد کیا جاتا ہے۔ یعنی اپنی دولت خرچ کی جاتی ہے اور جو ہمیں بہت

---

[٦] ابوداؤد:4297، المشكوة: 1475/3، صححه الالبانى في سلسلة الاحاديث الصحيحة: 957 و صحيح الجامع: 8183

عزیز ہے اور اس سے بھی عزیز ترین چیز یعنی اپنی جان بھی اللہ تعالی کی راہ میں قربان کرنی پڑتی ہے۔ اسی لئے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا فرمان ہے:

"شح (حرص نفس) سے بچو، اس حرص نفس نے ہی تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا، اسی نے انہیں خونریزی پر آمادہ کیا اور انہوں نے محارم کو حلال کرلیا۔"[۷]

جیساکہ بہت سی کتب احادیث میں مروی ہے جن میں سے ایک صحیح مسلم بھی ہے۔

محارم الہی کو حلال کرنا

یہاں اس موقع پر میں ایک چیز کی نشاندہی ضروری سمجھتا ہوں، وہ یہ کہ محارم کو حلال کرنا دوطرح سے ہے۔

اول:

یہ کہ انسان حرام کام میں ملوث ہو مگر اس بات کے مکمل شعور کے ساتھ کہ یہ کام حرام ہے۔ یہ واضح طور پر مسلمانوں میں اپنی تمام تر صورتوں اور اقسام کے ساتھ موجود ہے۔ حتی کہ اکبرالکبائر یعنی شرک بھی ہمارے بعض معاشروں اور شخصیات میں عام ہے۔ جیسے آلام ومصائب میں غیراللہ کو پکارنا، مشکلات میں غیراللہ سے استعانت واستداد چاہنا اور غیراللہ کے نام پر ذبح اور قربانی کرنا، اور ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو غیراللہ کے نام کی قسمیں کھاتے ہیں۔ مذکورہ بالا تمام امور شرک کے زمرے میں آتے ہیں لیکن یہ مسلم معاشروں میں عام ہیں۔ لوگوں کی اکثریت میں صرف عوام ہی کو موردالزام نہیں ٹھہراتا بلکہ علماء بھی اس بات پر کوئی توجہ نہیں دیتے کہ لوگوں کو اس شرک وبت پرستی سے خبردار کریں۔ یہ اکبرالکبائر یعنی سب سے بڑا گناہ ہے بعض احادیث میں اس کا ذکر آیا ہے جیساکہ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ:

---

[۷] صحيح مسلم - كتاب البر / باب تحريم الظلم: 18/8

"کبیرہ گناہ یہ ہیں: شرک، قتل، والدین کی نافرمانی اور رباء (سود) کھانا وغیرہ ... "[8]

اگر ان میں سے آپ صرف سود ہی کو لے لیں تو وہ بھی ان اداروں کے مرہون منت بہت عام ہو چکا ہے جنہیں ہم "بینک" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ مزید کبیرہ گناہوں میں سے شراب نوشی، عورتوں کا بے پردہ ہونا، قبروں پر مساجد کی تعمیر اور ان کے علاوہ بھی بہت سے ہیں۔

دوم:

اللہ تعالی کے محارم کو حلال کرنے کا جو دوسرا طریقہ اس کی مزید دو اقسام ہیں۔

ایک یہ کہ لاشعوری طور پر کسی حرام کام کا ارتکاب کرنا یعنی ایک شخص کو یہ علم ہی نہ ہو کہ میرا یہ فعل حرام ہے یا شریعت میں اس کا کیا حکم ہے۔ یہ بلاشبہ ایک بہت بڑی برائی ہے اور یہ بھی مسلم معاشروں میں بہت عام ہے۔

دوسری قسم یہ کہ انسان اللہ تعالی کی حرام کردہ اشیاء کو حلال کرنے کے لئے حیلے اختیار کرے۔ جیسا کہ یہودیوں نے فریب کاری اور دھوکہ بازی کے ذریعہ مچھلیاں پکڑنے کی جسارت کی، جن کا واقعہ قرآن کریم میں مذکور ہے اور ان شاء اللہ تمام لوگ اس سے بخوبی واقف ہیں۔ اور اسی طرح انہوں نے حیلہ اختیار کرتے ہوئے چربی کو بھی اپنے لئے حلال کرنے کی کوشش کی جو کہ ان پر حرام کردی گئی تھی۔

جس کا اندازہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مندرجہ ذیل حدیث سے لگایا جاسکتا ہے۔

"اللہ تعالی نے یہودیوں پر لعنت کی اس سبب سے کہ ان پر چربی حرام کی گئی تھی۔ مگر انہوں نے اسے پگھلا کر اس کی خرید وفروخت شروع کردی۔ پس خبردار! اللہ تعالی جب کسی چیز کا کھانا لوگوں پر حرام کردیتا ہے تو اس کی تجارت اور کمائی بھی حرام کردیتا ہے۔"[9]

یہ حدیث باوجود اپنی انتہائی اہمیت کے خطباء، مقررین وواعظین کی زبانوں پر بہت کم ہی آتی ہے۔ یہ حدیث مسلمانوں کو اس عمل کا مرتکب ہونے سے خبردار کرتی ہے جس کا ارتکاب یہودیوں نے کیا۔ مزید برآں نبی اکرم (صلی

---

[8] بخاری: 7/8، مسلم: 64/1، الہیثمی مجمع الزوائد: 130/4

[9] بخاری، مسلم، ابوداؤد و صححہ الالبانی فی صحیح الجامع: 5107

اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایسے کاموں کے انجام دینے سے روکا ہے اور سختی سے منع فرمایا ہے کہ جو یہودیوں کہ شیوا تھے۔ دیگر احادیث کے ساتھ ساتھ صحیح بخاری میں جناب ابو سعید خدری (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:

"تم لوگ یقینا ان لوگوں کے نقش قدم پر چلو گے جو تم سے پہلے ہوگزرے جیسا کہ بالشت بالشت کے برابر ہوتا ہے اور ہاتھ ہاتھ کے، یہاں تک کہ اگر وہ کسی گوہ کے بل میں داخل ہوئے تھے تو تم بھی اس میں جا داخل ہوگے۔" ہم نے عرض کی: "یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کیا اس سے مراد یہود ونصاری ہیں؟" آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ان کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے!" (یعنی یقینا انہی کی پیروی کرو گے)۔[10]

چنانچہ میں مسلمانوں کو اس بات سے خبردار کرنا چاہوں گا کہ وہ معمولی حیلہ اور مکر وفریب اختیار کر کے اس قسم کے حرام کاموں سے میں ملوث نہ ہوں جیسا کہ انہوں نے اپنے روزمرہ کے معاملات اور کاروباری معاہدوں میں اسے روا رکھا ہوا ہے۔ اس کی ایک بہت نمایاں مثال "**نكاح التحليل**" (حلالہ کا نکاح) ہے۔ جس کے مرتکب کو صحیح حدیث میں ملعون کہا گیا ہے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:

"اللہ تعالی نے حلالہ کرنے والے پر اور جس کے لئے عورت سے حلالہ کیا گیا دونوں پر لعنت کی ہے۔"[11]

اس قدر شدید وعید نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے باوجود ہمارے یہاں ایسے "ماہرین فقہ" پائے جاتے ہیں جو اسے جائز قرار دیتے ہیں، جبکہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس کے مرتکب کو اور جو بھی اس میں ملوث ہو پر لعنت فرمائی ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

انہیں باتوں میں سے ایک بات جو ہمارے معاشروں میں عام ہے وہ اقساط پر اشیاء کی فروخت ہے جبکہ اقساط میں لینے کی صورت میں قیمت نقد سے زیادہ ہو۔ انہیں میں سے ایک "بیع عینہ" بھی ہے جو مسلم ممالک میں عام ہے۔

[10] بخاری: 422/9

[11] ابوداؤد: 555/2 وصححہ الالبانی فی صحیح الجامع: 5101

مجھے صد افسوس کے ساتھ سے یہ کہنا پڑرہا ہے کہ وقت اس بات کی اجازت نہیں دے رہا کہ میں فرداً فرداً اور تفصیل کے ساتھ ان نقاط کو بیان کروں۔

امت مسلمہ کو لاحق ہونے والے مہلک امراض

میں صرف آپ بھائیوں کی توجہ اس حدیث کی جانب مبذول کروانا چاہوں گا جو کہ موقع محل کے لحاظ سے مناسب حال ہے اور وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا یہ فرمان ہے کہ:

"اگر تم اپنی تجارت میں بیع عینہ میں لگ جاؤ گے اور بیلوں کی دموں کو تھام لو گے اور محض اس بات سے راضی ہوجاؤ گے کہ تم اپنی کھیتی باڑی پر توجہ دو اور اللہ تعالی کی راہ میں جہاد ترک کردو گے، تو پھر اللہ تعالی تم پر ایسی ذلت مسلط کرے گا جو تم پر سے نہ ٹلے گی یہانتک کے تم اپنے دین کی طرف رجوع کرو۔"[١٢]

اس حدیث میں اس زہر ہلاہل اور ان موذی امراض کی بڑی واضح انداز میں منظرکشی کی گئی ہے جو اس دنیا فانی کی گھڑ دوڑ میں شامل ہونے اور اپنی تمام تر توجہ اسی دنیا کو کمانے میں مرکوز کرنے اسی طرح صرف ایسے اقدامات کرنے کے کسی طرح اس دولت میں ذیادہ سے ذیادہ اضافہ ہو کا شاخسانہ ہے۔ اور مسلمانوں کے موجودہ حالات کے ذمہ دار عوامل بھی یہی ہیں۔ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بیع عینہ، بیلوں کی دموں کو تھام لینے اور کھیتی باڑی پر اکتفا کرنے کے ساتھ ساتھ ترک جہاد کو بھی ایک سبب گردانا ہے۔ اور یہ ترک جہاد بھی ایک عام جرم کی حیثیت اختیار کرگیا ہے۔ بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بلا استثناء عرب و غیر عرب سب نے ہی جہاد کو خیرباد کہہ دیا ہے۔ جبکہ امر واقعی یہ ہے کہ ان تمام ریاستوں کے قبضہ میں وہ تمام وسائل میسر ہیں جو کہ جہاد کے لئے لازمی ہیں اور دوسری جانب ان پرجوش نوجوانوں کے پاس یہ وسائل میسر نہیں کہ جس سے وہ نہ صرف اپنے ملکوں، زمینوں بلکہ اپنی عزت و حریت ہی کا دفاع کرسکیں۔

---

[١٢] ابوداؤد: 3462، وصححہ الالبانی فی الصحیح: 11

آخر کار ان تمام مخالف شریعت کاموں میں مصروف عمل ہونے اور اللہ کے محارم کو حلال کرنے کا منطقی وقدرتی نتیجہ یہی نکلنا تھا۔

﴿ ... **وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا** ﴾ (اور تم اللہ تعالی کی سنت وطریقے کو کبھی بدلتا ہوا نہیں پاوگے) پس اللہ تعالی پر یہ حق بنتا تھا کہ وہ ان پر ذلت ورسوائی مسلط کردے۔

یہ ذلت وپستی ہر مسلم ملک پر اپنے پنجے گاڑ چکی ہے حالانکہ وہ بظاہر اس دنیا کے نقشے پر آزاد ممالک کی حیثیت سے اپنا وجود رکھتے ہیں مگر درحقیقت وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مطابق اپنے ممالک میں بھی عمل نہیں کرسکتے۔ انہیں ایک صحیح حدیث کے مطابق اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ:

"جاهدوا المشركين بأنفسكم و أموالكم و ألسنتكم"

(مشرکین سے اپنی جانوں، مالوں اور زبانوں کے ذریعہ جہاد کرو)[۱۳]

اب ہم نے اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کو تو بالکل ہی ترک کردیا ہے اور اسے صرف محدود کردیا ہے اپنے مال تک اس کی فاراوانی کے باعث اور زبانوں تک اس کی آسانی کے باعث، حتی کہ اس دور میں جان کے ساتھ جہاد بدقسمتی سے ایک گزری ہوئی داستان کی مانند بن کر رہ گیا ہے۔ اسی لئے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس حدیث میں ان امراض کی نشاندہی وتشخیص کے ساتھ اسکا علاج بھی تجویز فرمایا، جیساکہ حدیث کی ابتداء میں ان امراض کا ذکر ہے جو امت مسلمہ کو لاحق ہوں گے اور اس کے آخری حصہ میں ان کا علاج بھی ذکر کیا گیا ہے کہ کس طرح ان سے گلوخلاصی حاصل کی جاسکتی ہے۔

ان مہلک امراض سے سبیلِ نجات

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:

---

[۱۳] ابو داؤد: 695/2، وصححه الالبانى فى المشكوة: 3821 وفى الصحيح الجامع: 3090

"اللہ تعالی تم پر سے اس ذلت کو رفع نہیں کرے گا یہانتک کے تم اپنے دین کی جانب رجوع کرو"

یہی وہ واحد حل ہے مسلم امہ کے لئے اگر وہ اپنے کھویا ہوا وقار، غلبہ، عزت اور شان وشوکت کی بحالی چاہتی ہے، اور چاہتی ہے کہ اللہ تعالی انہیں دنیا پر اسی طرح غلبہ وتسلط عطا کرے جسطرح کہ ان سے پہلے لوگوں کو عطا کیا گیا تھا۔ اسی سلسلے میں نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا فرمان ہے:

"اس امت کو بشارتیں دے دو کہ اللہ تعالی انہیں عروج بخشے گا اور انہیں دنیا میں غلبہ عطا فرمائے گا۔ پس جو شخص بھی حصول آخرت والا عمل دنیاوی مقاصد و مفادات کے لئے سرانجام دے گا اسکا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔"[۱۴]

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا یہ فرمانا کہ "یہانتک کے وہ اپنے دین کی جانب رجوع کریں" مجھے اس بات کا موقع فراہم کرتا ہے کہ میں آپ کے سامنے کئے گئے سوال کے آخری حصہ کو متعارف کرواؤں۔ وہ یہ کہ امت مسلمہ پر جو کچھ بیت رہی ہے اور جس ذلت وپستی کا وہ شکار ہے کہ ماضی میں جس کی مثال نہیں ملتی اس سے نجات کی کیا سبیل ہے؟

تو اس سلسلہ میں اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿ ... إِنَّ اللّٰهَ لاَ يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُواْ مَا بِأَنْفُسِهِمْ وَإِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوءًا فَلاَ مَرَدَّ لَهُ ... ﴾ (الرعد: ۱۱)

(اللہ تعالی اس قوم کی حالت نہیں بدلا کرتا نہ ہو جسے خود اپنی حالت کو بدلنے کا خیال اور اللہ تعالی جب کسی قوم کی سزا کا ارادہ کرتا ہے تو وہ ٹلا نہیں کرتا)

﴿ ذَلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلَى قَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُواْ مَا بِأَنفُسِهِمْ ... ﴾ (الأنفال: ۵۳)

(یہ اس لئے کہ اللہ تعالی ایسا نہیں کہ کسی قوم پر کوئی نعمت انعام فرما کر پھر بدل دے جب تک کہ قوم خود اپنی حالت کو نہ بدل دیں)

---

[۱۴] البیهقی، وقال حاکم صحیح، وصححہ الالبانی فی احکام الجنائز: 52 و صحیح الجامع: 2825

پھر کیا وجہ ہے کہ مسلمانوں کی وہ قوت جو اللہ تعالی نے انہیں عطا فرمائیں تھیں اور وہ غلبہ وشان وشوکت جوکہ انہیں دنیا میں حاصل تھے، اس عظیم نعمت کی تبدیلی کا کیا سبب ہے؟

سبب یہ ہے کہ ہم نے اللہ تعالی کی اس نعمت کو بدل ڈالا، ہم اس نعمت کو چھوڑ کر دنیا کی دوڑ دھوپ میں جت گئے اور ہم نے اللہ کی راہ میں جہاد بھی ترک کر دیا۔ بالآخر ان تمام باتوں کا شرعی و فطری نتیجہ یہ نکلا کہ اگر مسلمان اللہ کی دین کی مدد نہیں کریں گے تو انہیں بھی اس کے بدلے میں اللہ کی طرف سے کوئی مدد حاصل نہیں ہوگی جسطرح کہ کلام اللہ میں آیا ہے کہ:

﴿ ... إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ ... ﴾ (محمد: ۷)

(اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو اللہ بھی تمہاری مدد کرے گا...)

میں اس مقام پر آپ کی توجہ اس نقطہ کی طرف دلانا چاہوں گا کہ اللہ تعالی نے اپنے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زبان پاک سے آج تمام اسلامی ممالک پر چھائی ہوئی اس مہلک و جان لیوا بیماری کا علاج تجویز فرما دیا اور وہ علاج ان کا اپنے دین کی طرف رجوع کرنا ہے جیساکہ آپ سب پہلے سماعت فرما چکے ہیں۔ اس کے علاوہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿ وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الإِسْلاَمِ دِيناً فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴾ (آل عمران: ۸۵)

(اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہو تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا)

اسی طرح ایک اور آیت میں اس کی نشاندہی فرمائی:

﴿ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الإِسْلاَمَ دِيناً ﴾ (المائدہ: ۳)

(آج کے دن میں نے تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور اسلام کا تمہارے لئے بطور دین ہونے پر راضی ہوا)

مجھے اس موقع پر اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے انتہائی مسرت ہوگی جوکہ امام شاطبی (رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنی مایہ ناز تصنیف "**الإعتصام**" میں امام مالک (رحمۃ اللہ علیہ) سے نقل کی ہے:

"جو شخص اسلام میں کوئی بدعت متعارف کراتا ہے اور یہ گمان کرتا ہے کہ یہ بدعت حسنہ ہے تو اس شخص کا یقینا یہ عقیدہ ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اللہ کا پیغام پہنچانے میں جوکہ ان کی ذمہ داری تھی خیانت کی ہے (اور یہ محال ہے)، اور اگر تم دلیل چاہو تو اللہ تعالی کا یہ کلام پڑھو:

﴿ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الإِسْلاَمَ دِيناً ﴾
(المائدہ: ۳)

(آج کے دن میں نے تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کردی اور اسلام کا تمہارے لئے بطور دین ہونے پر راضی ہوا)

اور اس امت کے آخری (لوگوں) کی اصلاح نہیں ہوسکتی مگر صرف اس طریقے سے جس سے اس امت کے پہلے (لوگوں) کی اصلاح ہوئی تھی۔ پس جو چیز اس وقت دین کا حصہ نہ تھی وہ آج بھی دین کا حصہ نہیں بن سکتی۔"[۱۵]

پھر امام شاطبی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں: "ہم اس روایت کو جوکہ امام مالک (رحمۃ اللہ علیہ) امام دارالہجرہ (مدینہ) سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ دین میں کوئی بدعت ایجاد کرے چاہے وہ کتنی ہی چھوٹی اور معمولی کیوں نہ ہو، اور چاہے وہ کردار و سلوک میں ہو یا عبادات واعتقادات میں، اور ہم اس روایت کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں قرآن کریم کی اس آیت پر اعتماد کرتے ہوئے کہ جس میں اللہ تعالی فرماتا ہے کہ ہمارے دین یعنی اسلام کو تمام کرکے اس نے ہم پر اپنی نعمت تمام کردی۔"[۱٦]

سو آج ہمارے متعلق کیا خیال ہے؟ ہم تو اسلام سے کوسوں دور جاچکے ہیں نہ صرف ان امور میں کہ جنہیں ہم "سنت" کہتے ہیں جوکہ بدعت کی ضد ہے بلکہ ہم تو اسلام سے مکمل طور پر دور ہوچکے یعنی ہم اسلام سے صرف ان امور میں دور

---

۱۵ الشفاء لقاضی عیاض: 676/2

۱٦ الاعتصام: 35/2

نہیں ہوئے کہ جنہیں بعض لوگ ثانوی حیثیت کے یا غیر ضروری اعمال شمار کرتے ہیں بلکہ ہم تو اس اسلام سے ہی دور ہوگئے جو دین اللہ تعالی نے ہمارے لئے پسند فرمایا تھا۔ ہم نہ صرف اپنے قانونی فیصلوں اور افکار میں گمراہ ہوئے بلکہ اپنے عقائد تک میں گمراہی کا شکار ہیں۔

اگر ہم واقعی اس علاج جو اللہ تعالی نے اپنے پیارے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زبانی تجویز فرمایا کو نافذ کرنے میں مخلص ہیں یعنی اپنے دین کی طرف رجوع کرنے میں، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیا طریقہ ہے کہ جس سے ہم دین کو سمجھیں اور اس کا فہم حاصل کریں؟

فہمِ سلف یا فہمِ خلف

اس دین کے فہم کے دو طریقے ہیں جو کہ ان علماء میں معروف ہیں جو ماضی اور حال کے علماء میں پائے جانے والے اختلاف کا شعور رکھتے ہیں۔ یہاں دو مکتبۂ فکر ہیں: ایک تو سلف کی طرف منسوب ہے اور دوسرا خلف کی طرف۔ جو لوگ خلف کی طرف منسوب ہیں وہ اس بات کے معترف ہیں کہ سلف کا راستہ محفوظ ترین ہے مگر اس کے باوجود ان کا یہ دعوی ہے کہ خلف کا راستہ علم وفہم کے اعتبار سے سلف سے بہتر ہے۔ تو آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا ہمیں سب سے پہلے اپنے عقائد سلف سے لینے چاہیے یا ان سے جو اس بات کا محض اقرار کرتے ہیں کہ سلف کا راستہ محفوظ ترین ہے مگر ان کا راستہ علم وفہم کے اعتبار سے ان سے بہتر ہے؟

بلاشبہ دلائل کی روشنی میں یہ بات واضح ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ اس دور میں ہم پر یہ لازم ہے کہ ہم سب سے پہلے اپنے عقائد کا موازنہ سلف صالحین کے عقائد سے کریں پھر اس کے بعد اپنے احکامات، اخلاقیات اور سلوک میں بھی ہمیں سلف کی جانب رجوع لازم ہے۔ وہ سلف جو اختلاف کے وقت قرآن وسنت پر انحصار کے علاوہ کوئی دوسرا ذریعۂ نجات نہیں سمجھتے تھے۔

اللہ تعالی کا قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿ فَلاَ وَرَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لاَ يَجِدُواْ فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُواْ تَسْلِيماً ﴾ (النساء: ٦٥)

(سو قسم ہے تیرے پروردگار کی یہ ایماندار نہیں ہوسکتے، جبتک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ان میں کردیں ان سے اپنے دلوں میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کرلیں)

آج بدقسمتی سے ہم ایسے گروہ اور جماعتیں نہیں پاتے جو ہمارے ساتھ اس علاج کو اپنانے کے لئے راضی اور متفق ہوں۔ مسلمانوں کو اپنی شان و شوکت اور قوت وغلبہ حاصل کرنے کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ وہ اپنے دین کی طرف رجوع کریں۔ یہ ایک ایسا نقطہ ہے کہ جس پر مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہیں، اس بات سے قطع نظر کہ ان کی وفاداریاں اور ان کی وابستگی کس مخصوص گروہ یا جماعت سے ہے اور اس بات سے بھی قطع نظر کہ ان کا تعلق کس مکتبۂ فکر سے ہے۔ بہرحال اختلاف اس وقت ابھرتا ہے جب دین کے صحیح فہم کا معاملہ آتا ہے۔

جسطرح کہ میں نے پہلے اس بات کی نشاندہی کی کہ ہمارے سامنے دو مکتبۂ فکر ہیں، ایک سلف کا اور ایک خلف کا۔ سلف دین کے اصولوں میں کوئی تنازع نہیں برتتے تھے اور نہ اس میں کسی طرح کا کوئی اختلاف کرتے تھے۔ وہ اس بات میں کوئی دورائے نہیں رکھتے تھے کہ تمام باہمی اختلافات میں قرآن و سنت کی جانب رجوع کیا جائے۔ چناچہ وہ اپنے معاملات کے فیصلے انہی دو ذرائع سے کرتے تھے اور وہ اس کے آگے مکمل سر تسلیم خم کردیتے تھے، جیساکہ ہم گزشتہ قرآنی آیت کے تحت بیان کرآئے ہیں۔ ان کے درمیان اختلافات کی بنیادی وجہ جس کی طرف میں پہلے بھی اشارہ کرچکا ہوں، وہ یہ تھی کہ ان میں کسی کے پاس پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی کوئی حدیث نہ پہنچی ہو، تو وہ پھر اپنے ذاتی اجتہاد کی بنیاد پر جو سب سے زیادہ مناسب اور بہتر رائے تصور کرتا تھا اس کے مطابق عمل کرتا۔ چناچہ بسااوقات وہ غیرارادی طور پر اور بلاقصد غلطی میں مبتلا ہوجاتا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک صحیح حدیث میں فرمایا:

"اگر حاکم / مجتہد اپنے ذاتی اجتہاد کی بنیاد پر فتوی دے اور وہ صحیح ہو تو اسے دوہرا اجر ملے گا اور اگر وہ غلطی کرجائے تو

اسے اکھرا اجر ملے گا۔"[۱۷]

چناچہ ہر مسلم پر یہ واجب ہے کہ وہ اس اصول کی طرف پلٹے جس کے متعلق کوئی اختلاف رائے نہیں کہ قرآن وسنت کی پیروی سلف صالحین کے فہم کے مطابق کرنا۔ پھر اگر ہم اس نظام پر متفق ہوجائیں اور اسے اپنا وظیفۂ حیات اور اپنے عمل و منہج کی بنیاد بنائیں اور مزید یہ کہ ہم اس بات پر ایک دوسرے سے تعاون کرنے کے لئے راضی ہوں یعنی

اولا: اس منہج کو سمجھنے میں۔

ثانیا: اس کی عملی تطبیق یعنی تنفیذ پر۔

تو پھر اس کے بعد ایک انتہائی اہمیت کا حامل مرحلہ آئے گا جو کہ خلاصہ ہے میرے اس جواب کا جو مسلمانوں کے عروج وترقی کی جانب سفر کے آغاز کے بارے میں سوال کیا گیا تھا۔

آج یہ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنے دین کا صحیح فہم حاصل کرے، پھر اسے ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق صحیح طور پر عملا نافذ کرے۔ حکام کا معاملہ عوام یا محکومین سے الگ ہے۔ حکام کو سب سے زیادہ قوت حاصل ہوتی ہے جبکہ محکومین کی قوت محدود ہے۔ اگر دونوں فریق یعنی حکام و محکومین اپنی اپنی ذمہ داریاں نبھائیں یعنی

اولا: اسلام کا صحیح فہم حاصل کریں۔

ثانیا: مکمل طور پر اس اسلام کا نفاذ ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق کرے۔

تو مجھے یقین ہے کہ ایک دن ضرور مومنین اللہ کی جانب سے فتح پر جشن منائیں گے۔

لیکن میں بہت سے داعیان اسلام کو دیکھتا ہوں کہ وہ حکومت پر مسلسل زور دیتے ہیں کہ وہ اللہ کی نازل کی ہوئی شریعت کے مطابق حکم کریں اور بلاشبہ یہ ایک عمدہ وبہترین حق بات کی دعوت ہے، کیونکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿ **وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللّهُ فَأُولَـئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ** ﴾ (المائدة: ۴۴)

(اور جو کوئی اللہ کی نازل کی ہوئی شریعت کے مطابق حکم نہیں کرتے پس ایسے ہی لوگ کافر ہیں **)**

---

[۱۷] صحیح بخاری: 318/13 ، صحیح مسلم: 1716

دوسری آیت میں فرمایا:

﴿ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللّهُ فَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴾ (المائدة: ۴۷)

(... پس ایسے ہی لوگ فاسق ہیں)

اور تیسری آیت میں فرمایا:

﴿ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللّهُ فَأُوْلَـئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴾ (المائدة: ۴۵)

(... پس ایسے ہی لوگ ظالم ہیں)

یہ سچ ہے کہ حکومتوں کو اپنے آئین، قوانین اور رعایا پر تنفیذ اسلام کرنا چاہیے۔ یہ حق بات ہے اور واجب ہے۔ بہرحال میں ان داعیان کو جو اس بات کی طرف دعوت دیتے ہیں یہ نصیحت کروں گا کہ وہ اپنی ذات کو نہ بھولیں۔ جیساکہ اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ لاَ يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ ... ﴾

(المائده: ۱۰۵)

(اے ایمان والو! اپنی فکر کرو، جب تم راہ راست پر چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ رہے اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں)

سو یہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ سچائی کے ساتھ اپنے دین کا فہم حاصل کرے پھر حسب صلاحیت اسے اپنے آپ پر اور ان پر جن کا وہ ذمہ دار ہے یا جن پر اسے دسترس حاصل ہے نافذ کرے۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:

"تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔"[۱۸]

پس آدمی اپنے زیر کفالت اور ماتحت پر نگہبان وذمہ دار ہے۔ اسی طرح عورت بھی اپنے دست نگر اور ماتحت پر نگہبان وذمہ دار ہے اور اسی طرح دیگر افراد بھی۔ کچھ داعی ذاتی اصلاح کے اس پروگرام کے حوالے کے طور پر ایک قول پیش

---

[۱۸] بخاری: 730، مسلم: 3396

کرتے ہیں جو انہیں میں سے ایک داعی کا ہے۔: "اپنے دل پر اسلامی حکومت قائم کرو وہ تمہارے لئے زمینوں پر بھی قائم کردی جائے گی۔" میں دوہرائے دیتا ہوں: "اپنے دل پر اسلامی حکومت قائم کرو وہ تمہارے لئے زمینوں پر بھی قائم کردی جائے گی۔"

اس بات نے ہمیں انتہائی مسرت دی لیکن ہم ان لوگوں سے ناخوش وناراض ہیں جو اس شخص کی جانب منسوب ہیں جس کا یہ قول ہے۔ وہ اس لئے کہ انہوں نے اس پر کوئی توجہ نہ دی اور نہ ہی اس کی تنفیذ کو خاطر میں لائے کیونکہ ایسا کرنے کے لئے ان کی جانب سے محنت شاقہ مطلوب ہے۔ اس کا تقاضہ ہے کہ انہیں قرآن وحدیث فہم سلف صالحین کے مطابق والے منہج کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ سومیں یہ کہوں گا کہ مسلمانوں کی ذلت ورسوائی کا علاج دین کی طرف رجوع ہے جو ہم سے دو چیزوں کا تقاضہ کرتا ہے۔ میں نے انہیں "التصفیہ" اور "التربیہ" کا نام دیا ہے۔

التصفیہ والتربیہ

"التصفیہ" سے میری مراد ہے کہ تمام علماء وفضلاء جو یہ چاہتے ہیں کہ زندگیوں پر اسلام کا نفاذ سلف صالحین کے طریق پر ہو ان پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اس اسلام کو ان چیزوں سے پاک وصاف یعنی خالص کریں جو اس میں بعد میں در آئیں جو پہلے اس کا حصہ نہ تھی۔ ایسے پاکیزہ کریں جیسے بھیڑیا یوسف (علیہ السلام) کے خون سے پاک وبری تھا، یہ ایک پرانی عربی کہاوت ہے۔ پھر انہیں اس خالص وپاکیزہ ہونے والے اسلام کی دعوت دینی چاہیے، خواہ وہ عقیدہ کا معاملہ ہو یا ان احکام کا جن میں بہت اختلاف رائے پایا جاتا ہے یا پھر اخلاق، کردار وسلوک کا معاملہ ہو، الغرض دین کے خالص کرنے کا یہ عمل اسلام کے ہر شعبہ پر محیط ہوگا، وہ اسلام جسے اللہ تعالی نے ہمارے لئے مکمل کیا۔ جس پر ہم مندرجہ ذیل حدیث کے ذریعے مزید روشنی ڈالیں گے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا فرمان ہے کہ:

"میں نے کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی جو تمہیں اللہ سے قریب کرے اور جہنم سے دور مگر میں نے تمہیں اس کا حکم دے دیا ہے، اور کوئی چیز جو تمہیں اللہ سے دور لے جائے اور جہنم سے قریب مگر میں نے تمہیں اس سے روک دیا ہے۔"[۱۹]

اب جو اس صراط مستقیم پر چلنا چاہتے ہیں ان پر ایک بات ضرور واضح ہونی چاہیے وہ یہ کہ بہت سے قدیم و جدید علماء اس امر سے بخوبی آگاہ ہیں کہ سنت میں ایسی بہت سی اشیاء داخل ہوگئیں ہیں جو اس کا حصہ نہ تھی، اور یہ چیز تو پہلی صدی سے ہی وقوع پذیر ہونا شروع ہوگئی تھی جب چند فرقوں نے سرکشی کی اور اس چیز کی طرف دعوت دی جو قرآن وسنت سے متصادم تھی۔ مثال کے طور بعض خوارج کا یا ایک خارجی کا بیان ہے کہ جسے اللہ تعالی کی طرف سے سنت کی جانب رہنمائی نصیب ہوگئی تھی، کہتا ہے کہ:

"ہمیں اس بارے میں انتہائی محتاط رہنا چاہیے کہ ہم اپنا دین کہاں سے حاصل کررہے ہیں، کیونکہ ہمیں جو بات بھلی لگا کرتی تھی ہم اسے حدیث بنا لیا کرتے تھے۔"

اسی وجہ سے امام ابن سیرین (رحمۃ اللہ علیہ) [جو کہ ایک جلیل القدر تابعی تھے اور جن کی حافظ حدیث صحابئ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جناب ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے بکثرت احادیث مروی ہیں] نے فرمایا:

"اس بات پر بھرپور توجہ دو کہ تم اپنا دین کہاں سے حاصل کررہے ہو۔"[۲۰]

اس قول کو بطور حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پیش کیا جاتا ہے حالانکہ یہ حدیث رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تک نہیں پہنچتی کیونکہ اس کے راویوں کی سند ابن سیرین (رحمۃ اللہ علیہ) تک موقوف ہے، اور یہی وجہ ہے محدثین کرام کے اس قول کی کہ:

"اسناد دین کا اہم جزء ہیں، اگر یہ اسناد نہ ہوتیں تو ہر شخص جو اس کا جی چاہتا دین کے تعلق سے کہہ جاتا۔"

---

[۱۹] سنن امام شافعی: 14/1، بیہقی: 76/7، الفقیہ والمتفقیہ للخطیب: 93/1، اس حدیث کی باقاعدہ تخریج کے لئے ملاحظہ کیجئے شیخ سلیم الہلالی کا مقدمہ جوانہوں نے کتاب **"ھدایۃ السلطان"** کی نظرثانی کے موقع پر لکھا۔

[۲۰] شرح صحیح مسلم للامام النووی: 87/1

یہ ایک ایسا معاملہ ہے کہ جس پر نظریاتی حدتک تو علماء کا اجماع ہے۔ جی ہاں! میں بخوبی آگاہ ہوں کہ جب میں نے کہا کہ "نظریاتی حدتک" یہ اس لئے کہ مجھے یہاں ایک تلخ حقیقت کی ضرور نشاندہی کرنی پڑے گی وہ یہ کہ عملی طور پر جمہور علماء نے ان اسناد پر وہ توجہ نہیں دی جو اس پر دینی چاہیے تھی۔ البتہ علماء کا ایک مختصر گروہ ایسا تھا جنہوں نے یقینا اس پر توجہ دی اور وہ محدثین کرام تھے جن میں کچھ مشہور یہ ہیں: امام احمد بن حنبل، امام یحیی بن معین، امام علی بن المدینی اوران کے تلامیذ جیسے امام بخاری و امام مسلم اور دیگر محدثین اور آئمہ جرح وتعدیل (رحمہم اللہ)۔ ہمیں جس سنت پر اس کے تصفیہ کے بعد پیش رفت کرنی ہے اس سنت کو خالص کرنے کے لئے ہمیں انہیں جیسے رجال پر اعتماد کرنا ہے۔

کتب سنت آج وسیع پیمانے پر دستیاب ہیں۔ یہ اس لئے کہ اللہ تعالی نے امت مسلمہ کے لئے ان کے دین کو مکمل محفوظ رکھا اپنے اس وعدے کے ذریعہ جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔

﴿ **إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ** ﴾ (الحجر: ۹)

(ہم نے ہی اس ذکر کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت فرمائیں گے)

اس موقع پر میں ایک نقطہ ضرور بیان کرنا چاہوں گا وہ یہ کہ مندرجہ بالا آیت جب یہ بیان کرتی ہے (ہم نے ہی اس ذکر کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت فرمائیں گے) تو کچھ لوگ جنہیں سنت میں مہارت حاصل نہیں اور نہ ہی وہ اسے کچھ اہمیت دیتے ہیں وہ اس غلط نقطۂ نظر کے حامی ہیں کہ اس آیت میں جو حفاظت الہی کا وعدہ فرمایا گیا ہے وہ صرف قرآن مجید کے ساتھ خاص ہے۔ تو میں کہوں گا بالکل اللہ تعالی نے ذکر کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے ذریعہ اس نے قرآن کریم کے الفاظ کو محفوظ رکھنے کا وعدہ فرمایا ہے لیکن بہرحال اس نے اس کے معنی، بیان وتشریح کی حفاظت سنت نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ذریعہ کی ہے۔

اس لئے محدثین کرام کے بغیر سنت کے تصفیہ کا یہ عمل بوجوہ احسن پایۂ تکمیل تک پہنچنا ناممکن ہے۔ کیونکہ یہ ایک امر لازم ہے کہ قرآن مجید کا سنت صحیحہ سے بے نیاز رہ کر صحیح فہم حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو مسلمان

انہیں گمراہیوں کا شکار ہوجائیں گے، جن گمراہیوں کا ان سے پہلے ماسوائے فرقۂ ناجیہ کے لوگ شکار ہوئے۔ یہ اس لئے کہ قرآن مجید سے متعلق عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) کا فرمان ہے:

"قرآن حکیم کی تفسیر کئی ایک طریقوں سے ہوسکتی ہے"

اسی بنا پر اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿ ... **وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ** ... ﴾ (النحل: ۴۴)

(یہ ذکر (کتاب) ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے تاکہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کردیں)

یعنی ہم نے اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کی طرف ذکر نازل فرمایا تاکہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی سنت کے ذریعے بیان کردیں اور وضاحت فرما دیں جو ان کی طرف نازل کیا گیا۔ چناچہ یہ آیت دو چیزوں کی طرف اشارہ کرتی ہے ایک قابل وضاحت و قابل تفسیر چیز اور دوسری اس قابل تفسیر چیز کی تفسیر و وضاحت کرنے والے مفسر۔ لہذا وہ قابل تفسیر چیز قرآن مجید ہے جسے بطور "ذکر" بیان کیا گیا اور مفسر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں کہ جو اس آیت کے مخاطب ہیں۔

قرآن فہمی کا سنت اور وہ بھی صرف سنت صحیحہ کے علاوہ اور کوئی درست طریقہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دو چیزوں سے خبردار کیا تاکہ اس تفسیر کو کما حقہ اور صحیح طور پر کیا جا سکے۔ ان میں سے پہلی چیز جس سے اپنی امت کو خبردار کیا وہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف ایسی بات منسوب کرنا ہے۔ جو آپ نے نہ کہی ہو چناچہ ایک متواتر حدیث میں ہے کہ:

"من كذب على متعمداً فاليتبوأ مقعده من النار"

(جس نے مجھ پر قصداً جھوٹ بولا اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں پکڑ لے)

دوسری روایت میں ارشاد فرمایا:

"من قال على مالم اقل فاليتبوأ مقعده من النار"

(جس نے میری طرف ایسی بات منسوب کی جو میں نے نہیں کہی تو یقیناً اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں پکڑ لے)[۲۱]

یہ وہ پہلا مسئلہ تھا جس سے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے امت کو متنبہ فرمایا، دوسری چیز جس کی طرف امت کو توجہ دلائی وہ یہ ہے کہ جس طرح قرآن کریم کی طرف رجوع لازم ہے بالکل اسی طرح سنت کی طرف بھی رجوع لازم ہے۔ اسی بناء پر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا فرمان ہے:

"میں تم میں سے کسی کو نہ پاؤ اس حال میں کہ وہ اپنی مسہری سے ٹیک لگائے بیٹھا ہو اور اس کے سامنے میرا امر یا نہی پہنچے تو وہ یہ کہے کہ، میں نہیں جانتا ہم جس کو کلام اللہ میں حلال پائیں گے صرف اسے حلال جانیں گے اور جسے کلام اللہ میں حرام پائیں گے صرف اسے حرام جانیں گے۔ خبردار میں قرآن اور اس کی مثل (حدیث) دیا گیا ہوں اور آگاہ ہو جاؤ کہ جسے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حرام قرار دیا وہ ایسا ہی ہے جیسے اللہ تعالی نے خود حرام قرار دیا۔"[۲۲]

ان دونوں امور یعنی جن سے ہمیں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے متنبہ فرمایا کو باہم یکجا کرنے سے ہمیں وہ علاج و حل نصیب ہوگا جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہر جانب سے حاصل ہونے والی ذلت و رسوائی سے نجات حاصل کرنے کے لئے تجویز فرمایا۔ یہ پہلے مرحلے "تصفیہ" کا بیان تھا۔

دوسرا مرحلہ جو علماء کرام کے سابقہ بیان کردہ تصفیہ کا عمل کر لینے کے بعد شروع ہوگا، وہ "تربیہ" ہے۔ انہیں لازماً اس "تربیہ" کے عمل کے ساتھ اپنے خاندانوں اور ماتحت لوگوں کی اسی خالص نہج پر تربیت کرنی ہوگی۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ کہیں ان کا شمار ان لوگوں میں نہ ہو جائے جو وہ کہتے ہیں کرتے نہیں کیونکہ ہمارے رب کا فرمان مبارک ہے:

---

[۲۱] دونوں روایتیں بخاری کی ہیں: 84/1، ابوداؤد: 1036/3

[۲۲] احمد: 132/4، ابوداؤد: 5064، ترمذی: 3662، شیخ احمد شاکر اس پر **"الرسالۃ"** للشافعی کی تعلیقات کے موقع پر ایک تفصیلی بحث کی ہے۔ رقم: 19

﴿ **يَا أَيُّهَاالَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ○ كَبُرَ مَقْتًا عِندَاللَّهِ أَن تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ** ﴾ (الصف: ۲-۳)

(اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں، تم جو کرتے نہیں اس کا کہنا اللہ کو سخت ناپسند ہے) اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ ان لوگوں کے لئے سخت وعید ہے جو اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتے

جیساکہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی اپنی ایک حدیث میں یہ بیان کر چکے ہیں کہ:

"اس امت کو بشارتیں دے دو کہ اللہ تعالی انہیں عروج بخشے گا اور انہیں دنیا میں غلبہ عطا فرمائے گا۔ پس جو شخص بھی حصول آخرت والا عمل دنیاوی مقاصد و مفادات کے لئے سرانجام دے گا اسکا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔"[۲۳]

اس حدیث سے ہم پر یہ واجب ہوتا ہے جب ہم اپنے اس خالص شدہ دین پر عمل پیرا ہوں تو ہمارا عمل خالصتا اللہ کی رضا کے لئے ہونا چاہیے جیساکہ ہمارے رب کریم کا فرمان ہے:

﴿ **وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاء** ... ﴾ (البينة: ۵)

(اور انہیں تو حکم ہی نہیں دیا گیا تھا مگر اس بات کا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، دین کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے)

میں اس تقریر کے اختتام پر یہ کہنا چاہوں گا کہ ہمیں ترقی کے اس سفر میں تمام محارم سے اجتناب کرنا ہوگا جن سے آپ سب واقف ہیں اور جن کی کچھ مثالیں ہم پہلے بیان کر آئیں ہیں، جیسے شرک، قتل، سود وغیرہ وغیرہ۔

میں اس موقع پر اس پہلی بیماری کا ذکر کرنا چاہوں گا جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے "بیع عینہ" والی حدیث میں بیان کی کیونکہ یہ بیماری بعض اسلامی ممالک میں بہت پھل پھول رہی ہے اور دوسری جانب لوگوں کی اکثریت اللہ تعالی کے فرمان کے بموجب: ﴿ **لَا يَعْلَمُونَ** ﴾ (نہیں جانتے)

---

[۲۳] تخریج پہلے گزر چکی ہے، دیکھیے حوالہ رقم: 14

بیع عینہ

بیع عینہ ایک قسم کا سودی معاملہ ہے جو حرام ہے لیکن بد قسمتی سے کچھ لوگ اس میں ملوث ہیں اور وہ اس زعم میں مبتلا ہیں کہ یہ شرعا جائز ہے۔ بیع عینہ علماء میں معروف ہے جو "**عین**" سے مشتق ہے یعنی "**عین الشیء**" (اصل چیزیا متعین شیء)
مثلا ایک شخص ایک گاڑیوں کے بیوپاری شخص کے پاس آتا ہے اور کچھ معلومات حاصل کرنے کے بعد گاڑی خرید لیتا ہے۔ اس نے یہ گاڑی اقساط پر خریدی ہے نقد پر نہیں۔ فرض کریں کے اس نے گاڑی بیس ہزار میں خریدی اب وہ شخص جس نے گاڑی اقساط پر خریدی دوبارہ گاڑیوں کے بیوپاری شخص کے پاس آتا ہے اور اسے وہی گاڑی نقد پر فروخت کرنے کی پیشکش کرتا ہے۔ اب جو گاڑیوں کا بیوپاری تھا وہ یہ بھانپ گیا کہ اس شخص کو گاڑی نہیں بلکہ پیسوں کی ضرورت ہے۔ آخر کار یہ دونوں فریق گاڑی کی اٹھارہ ہزار قیمت پر متفق ہوئے۔ چنانچہ وہ شخص جس نے گاڑی اقساط پر خریدی تھی اپنی گاڑی دوبارہ اٹھارہ ہزار میں بیچ دی۔ اسطرح وہ شخص اب بیس ہزار قرض کی ذمہ داری لیکر چلا گیا جبکہ فی الحقیقت اس نے صرف اٹھارہ ہزار ہی لئے تھے۔ بیع عینہ کے اس معاملہ سے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے منع فرمایا ہے۔ سو یہ ان لوگوں پر بالکل واضح ہوجانا چاہیے جو اپنی خواہشات کے پیرو نہیں یا کم ازکم بیع عینہ میں ملوث نہیں کہ اس کاروبار کی اصل حقیقت یہ ہے کہ قرضدار کے ذمہ اس کی وصول کی گئی رقم سے ذیادہ واجب الادا ہوتا ہے۔ لہذا اس میں اور سود کو تجارت قرار دینے میں کوئی فرق نہیں کیونکہ اگر وہ شخص جاتا اور کہتا: "مجھے اٹھارہ ہزار قرض دو میں تمہیں بیس ہزار ادا کروں گا" تو موجودہ دور کے مسلمان بھی الحمدللہ اسے یقینا سود قرار دیتے، اور وہ ایسا کیوں کرتے؟ کیونکہ قرضدار پر جو رقم واجب الادا ہے وہ اس رقم سے ذیادہ ہے جو اس نے حاصل کی، تو اس میں اور بیع عینہ میں کیا فرق رہا؟ درحقیقت یہ فروخت کا معاملہ حیلہ ہے سود کو حلال کرنے کا۔ یہ تو وہی حرکت ہے جس سے ہمیں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی بہت سے احادیث میں تنبیہ فرمائی ہے۔ اسی لئے نبی اکرم (صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہمیں گزشتہ امتوں کے نقش قدم پر گامزن ہونے سے منع فرمایا ہے، اور بالخصوص یہودیوں کا ذکر کیا۔

یہود کی روش

مثلا اللہ تعالی نے ان پر چربی حرام قرار دی۔ قرآن کریم میں ہے کہ:

﴿ **فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُواْ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ** ... ﴾

(النساء: ١٦٠)

(جو نفیس چیزیں ان یہودیوں پر حلال کی گئی تھیں وہ ہم نے ان کے ظلم کے باعث ان پر حرام کردیں)

یعنی ہم نے کچھ اچھی چیزیں ان پر حرام قرار دیں جو پہلے ان پر حلال تھیں۔ انہیں مفید چیزوں میں سے قرآن کریم کے اس حکم کے بموجب چربی ان پر حرام کی گئی جس کے بیان میں پہلے ایک حدیث میں پیش کی جاچکی ہے:

"اللہ تعالی نے یہودیوں پر لعنت کی اس سبب سے کہ ان پر چربی حرام کی گئی تھی۔ مگر انہوں نے اسے پگھلا کر اس کی خریدوفروخت شروع کردی۔ پس خبردار! اللہ تعالی جب کسی چیز کا کھانا لوگوں پر حرام کردیتا ہے تو اس کی تجارت اور کمائی بھی حرام کردیتا ہے۔"[۲۴]

یہاں پر ہم دیکھتے ہیں کہ یہودیوں نے ایک شرعی حکم یعنی حرمت **شحم** (چربی) کے ساتھ کھلواڑ کیا۔ اللہ سبحانہ وتعالی علیم وحکیم ہے کہ جس نے یہودیوں کی نافرمانیوں کے سبب ان پر چربی حرام کردی پھر جب کوئی یہودی کسی فربہ بھیڑ یا بکری کو ذبح کرتا تو صرف اس کا سرخ گوشت کھاتا اور اللہ تعالی کے حکم کی تعمیل میں چربی کو پھینک دیتا۔ مگر وہ اس حکم شرعی پر زیادہ عرصہ صبر نہ کرپائے اور انہوں نے اسے حلال کرنے کے لئے ایک حیلہ ایجاد کرلیا۔ پس انہوں نے اسے پگھلا دیا اور یہی معنی ہے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اس قول کا کہ "انہوں نے اس کی محض

[۲۴] اس حدیث کی تخریج پہلے گزر چکی ہے، دیکھیے حوالہ رقم: 9

ظاہری صورت وہیت بدل ڈالی"۔ انہوں نے اسے برتنوں میں بھر کر اور نیچے سے آگ لگا کر پگھلایا جس کی وجہ سے چربی کی ظاہری صورت تبدیل ہوگئی یعنی مثل پانی مایہ ہوگئی۔ بعدازیں شیطان نے یہودیوں کے دل میں وسوسہ اندازی کی اور ان کی نظر میں اس عمل کو اس طور پر حسین بنا کر پیش کیا کہ یہ چربی اب چربی کہلانے کے لائق ہی نہ رہی۔ جبکہ وہ اس بات کا بخوبی شعور رکھتے تھے کہ یہ اب بھی اپنی فطرت، ترکیب اور ذائقہ میں چربی ہی ہے۔ اس مشہور محاورے کے مانند جو بعض ممالک میں بولا جاتا ہے "**غيروا الشكل لإجل الأكل**" (محض اسے کھانے کی خاطر اس کی شکل تبدیل کردی گئی) لیکن اس تبدیلی سے انہوں نے اس چیز کو حلال بنایا جسے اللہ تعالی نے حرام قرار دیا۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہودیوں کا اللہ کی حرام کردہ چیز کو حلال بنانے والے حیلے کا قصہ اور اللہ تعالی نے یہودیوں کا ہفتہ والے دن مچھلیاں شکار کرنے کا حیلہ جو کہ انہوں نے ساحل پر جال بچھا کر اختیار کیا جیسا کہ تفاسیر میں مذکور ہے اس لئے بیان نہیں کیئے کہ یہ محض تاریخی واقعات ہیں، بلکہ یقیناً یہ اس لئے بیان ہوئے ہیں جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿ **لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُوْلِي الأَلْبَابِ** ... ﴾ (يوسف: ١١١)

(ان کے بیان میں عقل والوں کے لئے یقیناً نصیحت وعبرت ہے)

چنانچہ مندرجہ بالا دونوں قصوں سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم ہرگز اس چیز کے مرتکب نہ ہوں اور ہرگز ایسے حیلے نہ تراشیں جن سے محارم الہی کے قریب جایا جا سکے۔ چنانچہ بیع عینہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زبانی حرام قرار دے دی گئی ہے تاکہ ہم مسلمان ایسے حیلے نہ ایجاد کریں کہ حرام شیء یعنی سود کے قریب جایا جا سکے۔ وہ اسطرح کہ واجب الادا رقم لئے گئے قرض سے ذیادہ وصول کی جائے اور اس کے ظاہر کو تجارت کی صورت میں چھپا لیا جائے جسطرح کے یہودیوں نے چربی کی ظاہری صورت تبدیل کی تھی۔ یہاں آپ کو یہ جاننا چاہیے بہت سے علماء بیع عینہ کی حرمت کے قائل نہیں اور ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اس حدیث کو صحیح نہیں مانتے کیونکہ علم حدیث ان کا تخصص نہیں اس بیع کے جواز میں محض لفظ "بیع" (تجارت) کے استعمال سے دلیل پکڑتے ہیں حالانکہ اہل علم

جانتے ہیں کہ مجرد لفظ بیع کا کسی معاملے میں وارد ہونا اس معاملہ کو بیع (تجارت) نہیں بناتا الاّ یہ کہ شریعت میں اس کی حرمت وارد نہ ہوئی ہو۔

اگر ہم دوبارہ اس حدیث کی طرف رجوع کریں تو ہم پائیں گے کہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جس پہلی بیماری کا ذکر فرمایا وہ بیع عینہ ہی تھی۔ دیگر بیماریوں میں سے اس دینا کی محبت اور اللہ کی راہ میں جہاد کا ترک کر دینا ہے۔ چناچہ ہمیں اس حدیث سے یہ سبق ملتا ہے کہ کہیں ہم خود وہی اعمال نہ کرنے لگ جائیں جن سے لوگوں کو روکتے ہیں یا پھر جن کا ذکر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس حدیث میں فرمایا۔ اگر ہم وہ مقام ومرتبہ دوبارہ بحال کرنا چاہتے ہیں جو ہمارے رب نے ہمیں عطا کیا ہے تو یہ انتہائی ضروری ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان عالی شان ہے:

﴿ ... **وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ** ... ﴾ (المنافقون: ۸)

(سنو! عزت تو صرف اللہ تعالی کے لئے اور اس کے رسول کے لئے اور ایمانداروں کے لئے ہے)

میری یہی کچھ گزارشات تھیں ان مفید سوالات کے جواب میں جو اس مبارک محفل میں کئے گئے جو قرآن وسنت کی محفل ہے۔ ہم اللہ تعالی سے دست بدعا ہیں کہ وہ ہمیں اور آپ سب کو قرآن وسنت صحیحہ اور فہم سلف صالحین کی روشنی میں اسلام کا صحیح فہم عطا فرمائے۔ میں اللہ تعالی ہی سے سوال کرتا ہوں کیونکہ وہ **الاحد الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً احد** ہے کہ وہ ہماری دعائوں کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نواز دے اور ہمیں ہمارے دشمنوں پر نصرت عنایت فرمائے۔

إنه سميعٌ مجيب والحمدللّٰه رب العالمين.

******